وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحجر:۲۲)

تفسیر کبیر

از افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود

رضی اللہ عنہ

جلد دوم

سورۃ بقرہ رکوع ۱۷ تا آخر

نظارت نشر و اشاعت قادیان

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ

اور (اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بتا کہ تو مُردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ کیا تو

تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ

ایمان نہیں لا چکا؟ (ابراہیمؑ نے) کہا۔ کیوں نہیں (ایمان تو بیشک حاصل ہو چکا ہے) لیکن اپنے اطمینانِ قلب کی خاطر (میں نے یہ سوال کیا ہے)

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ

فرمایا۔ اچھا! تو چار پرندے لے اور اُن کو اپنے ساتھ سِدھالے۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر اُن میں سے ایک

جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ

(ایک) حصہ رکھ دے۔ پھر انہیں بُلا وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں گے

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ ع

اور جان لے کہ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ ۱۷۰ ؎

٣٥ ع ٣

اسلئے دکھائی ہے تاکہ ہم تجھے لوگوں کیلئے ایک نشان بنائیں۔ اب تو ان مُردہ ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح کھڑا کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔

اس کشف اور الہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشخبری دی کہ ایک سو سال تک یہ شہر آباد ہو جائیگا۔ چنانچہ ٹھیک سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی ترقی اور آبادی کی صورت پیدا کردی۔ یروشلم کی تباہی دو دفعہ ہوئی۔ ایکدفعہ ۵۹۷ قبل مسیح میں اور دوسری دفعہ یروشلم کی بغاوت پر ۵۸۶ قبل مسیح میں۔ اسجگہ سو سال دوسری تباہی سے ہی لئے جائینگے۔ کیونکہ شہر کو اسی میں برباد کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۵۱۹ قبل مسیح میں یروشلم کی دوبارہ بنیاد رکھی گئی اور تیس سال تک تعمیر جاری رہی جس کے نتیجہ میں ۴۸۹ قبل مسیح میں یروشلم صحیح طور پر آباد ہوا۔ پس درمیانی فاصلہ قریباً سو سال (۹۸ سال) کا ہی ثابت ہوتا ہے۔

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا

کے لفظ سیوطی کے اس قول کے مطابق استعمال کئے گئے ہیں جس کا حزقیل نبی کی کتاب میں بھی ذکر آتا ہے کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی ہم تو بالکل فنا ہو گئے (حزقیل باب ۳۷ آیت ۱۱) اللہ تعالیٰ نے اُنکو بتایا کہ تم ایک دن پھر زندہ ہو گے اور پھر اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور عظمت حاصل کرو گے۔

غرض اس واقعہ کے متعلق بائبل سے رؤیا بھی مل گیا۔ بنی اسرائیل کی ہڈیوں پر گوشت کا چڑھایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔ اسی طرح حزقیل نبی کو پکڑ کر لے جانا بھی ثابت ہو گیا اور پھر سو سال کے بعد یروشلم کا دوبارہ آباد ہونا بھی تاریخ سے ثابت ہو گیا۔ حزقیل نبی کو پہلے تو صدمہ ہوا کہ یہ کیا ہو گیا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انکو بتایا کہ ہمیشہ کی تباہی نہیں تو انہوں نے کہا اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ خدایا اب میری تسلی ہو گئی ہے اور گو بظاہر ان حالات کا بدلنا ناممکن نظر آتا ہے مگر یہ بات یقیناً ہو کر رہے گی اور خدا تعالیٰ دوبارہ اس شہر اور قوم کو ترقی عطا فرمائے گا۔

۱۷۰؎ حل لغات :۔

صُرْهُنَّ : صُرْ کے ساتھ جب اِلٰی کا صلہ آجائے تو اس کے معنے اپنی طرف مائل کر لینے کے ہوتے ہیں۔ کاٹنے کے نہیں ہوتے۔ ہاں جب یہ لفظ

صُرْهُنَّ

اِلیٰ کے صلہ سے خالی ہو تو اس وقت اس کے معنے کاٹنے کے ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ صَارَ الشَّیْءَ قَطَعَهٗ۔ اُسے کاٹ دیا۔ پس صُرْھُنَّ اِلَیْكَ کے معنے ہیں۔ اُن کو اپنے ساتھ سِدھالے۔ (اقرب)

تفسیر:۔ فرماتا ہے تم اِس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا۔ کہ اے میرے رب! مجھے بتا کہ تو مُردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو ایمان نہیں لاچکا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کے جواب میں بَلٰی کہا۔ جس سے اِس عقیدہ کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کرسکتا ہے اور مَیں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ ایسا کرسکتا ہے گویا انہوں نے اس کے متعلق کسی شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ اقرار کیا کہ خدا تعالیٰ یہ کام کرسکتا ہے اور مجھے اِس پر کامل ایمان حاصل ہے۔

بَلٰی کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے پہلے خواہ نفی ہو یا اثبات اِس سے مراد "ہاں" ہی ہوتی ہے اگر اسجگہ نَعَمْ کا لفظ ہوتا تو اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے تھے کہ ہاں مجھے ایمان نہیں ہے۔ مگر اسجگہ بَلٰی کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جس سے یہ شبہ دُور ہوگیا کیونکہ اِس کے معنے ہر صورت میں اثبات ہی کے ہوتے ہیں۔

ایمان کے بعد لٰکِن کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جو استدراک کیلئے آتا ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے ایمان تو ہے کہ خدا تعالیٰ مردے زندہ کرسکتا ہے لیکن مَیں اِس سے ایک زائد بات چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میرے دل کو بھی اطمینان حاصل ہو جائے کہ تو میری قوم کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔ جیسے ایک شخص جو بیمار ہو۔ اُسے ایمان تو ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ بیماروں کو اچھا کرسکتا ہے لیکن اطمینان نہیں ہوسکتا کہ اُسے بھی اچھا کریگا یہ اطمینان خدا کے بتانے سے ہی ہوسکتا ہے۔ یا مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ بھوک کے بعد لوگ سیر ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر کیا اِس سے ایک فاقہ زدہ کو یہ یقین ہو جائیگا کہ مجھے بھی کھانا مل جائیگا اور مَیں سیر ہو جاؤں گا۔ پس ایمان تو امر غیب کے متعلق ہوتا ہے جو انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ اور کسی چیز کے ہونے یا ہوسکنے کے متعلق اس کے یقینِ کامل کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اطمینان کا لفظ دو چیزوں کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک شک کے مقابلہ میں۔ دوسرے کرب و اضطراب کے مقابلہ میں۔ وہ اطمینان جو شک کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ بلکہ وہی اطمینان مراد ہے۔ جو کرب اور اضطراب کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اثباتِ ایمان موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان تھا کہ خدا تعالیٰ احیاءِ موتیٰ کرسکتا ہے مگر وہ اپنی قوم کے متعلق بھی یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اُس پر الٰہی فضل نازل ہوگا اور وہ بھی زندہ قوم بن جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو چار پرندے لے اور اُن کو اپنے ساتھ سدھالے۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر اُن میں سے ایک ایک حصہ رکھدے۔ پھر انہیں بُلا۔ وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں گے۔ اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

لوگ اِس آیت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ چار پرندے پکڑ کر اُن کا قیمہ کرلے۔ اور اُن کو اپنی طرف لے لے لیکن یہ بالکل غلط اور محاورہ کے خلاف معنے ہیں۔ کیا کوئی شخص قیمہ کرکے اُسے اپنی طرف بھی لیا کرتا ہے۔ پس یہ کوئی معنے نہیں کہ قیمہ کرکے اُسے اپنی طرف لے لے۔ اِس کے یہی معنے ہیں کہ تو اُن کو اپنے ساتھ سِدھالے (مفردات و اقرب الموارد)

جُزْءًا کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ بتلاتا ہے کہ یہاں قیمہ کرنا ہی مراد ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔

جزء کے معنے ایک پرندے کے ٹکڑے کے نہیں بلکہ چاروں
پرندوں کا جزء مراد ہے جو ایک کا عدد ہے۔ اِس کی
مثال قرآن کریم کی اِس آیت سے ملتی ہے کہ اِنَّ جَھَنَّمَ
لَمَوْعِدُھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ لَھَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ۔ لِکُلِّ
بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۔ (حجر آیت ۴۴-۴۵)
یعنی جہنم سب کفار کے لئے مقررہ جگہ ہے۔ اِس کے سات
دروازے ہونگے اور ہر دروازہ کے لئے کفار کا ایک حصہ
مقرر ہوگا۔ اسجگہ جُزْءٌ کا لفظ ہی استعمال ہؤا ہے۔
لیکن کوئی شخص یہ معنے نہیں کرتا کہ کفار کا قیمہ کرکے اُس
قیمہ کا تھوڑا تھوڑا حصہ سب دروازوں میں ڈال دیا
جائیگا۔ بلکہ سب مفسّرین متفق ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے
کہ کچھ کافر ایک دروازہ سے لے جائے جائیں گے اور
کچھ دوسرے سے اور کچھ تیسرے سے اور کچھ چوتھے سے۔
پس سورۂ حجر کی اِس آیت نے بتلا دیا کہ جب جزء کا لفظ
ایک جماعت پر بولا جائے تو اس سے اس جماعت کے
افراد مراد ہوتے ہیں۔ اور انہی معنوں میں جزء کا لفظ اس
آیت میں استعمال ہؤا ہے اور مراد ہر پرندہ کا جزء نہیں
بلکہ چار کا جزء ہے اور معنے یہ ہیں کہ ہر چوٹی پر ایک
ایک پرندہ رکھدے۔

یہ واقعہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ظاہری
ہوتا تو اس پر بہت سے اعتراض پڑتے ہیں۔ اوّل یہ
کہ احیاءِ موتیٰ کے ساتھ پرندوں کے سدھانے کا کیا تعلق؟
دوم۔ چار پرندے لینے کے کیا معنے؟ کیا ایک سے یہ غرض
پوری نہ ہوتی تھی؟ سوم پہاڑوں پر رکھنے کا کیا فائدہ
کیا کسی اور جگہ رکھنے سے کام نہ چلتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ مجازی
کلام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے
دُعا کی کہ الٰہی احیاءِ موتیٰ کا جو کام تُو نے میرے سپرد
کیا ہے۔ اُسے پورا کرکے دکھا۔ اور مجھے بتا کہ میری قوم
میں زندگی کی رُوح کس طرح پیدا ہوگی جبکہ میں بڈھا ہوں۔
اور کام بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم نے
وعدہ کیا ہے تو یہ کام ہوکر رہیگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے عرض کیا کہ ہوکر تو ضرور رہیگا مگر میں اپنے اطمینان کے
لئے پوچھتا ہوں کہ یہ مخالف حالات کس طرح بدلیں گے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو چار پرندے لیکر سدھا۔ اور
ہر ایک کو پہاڑ پر رکھدے۔ پھر اُن کو بُلا۔ اور دیکھ
کہ وہ کس طرح تیری طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ یعنی
اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کر۔ وہ تیری آواز پر
لبّیک کہتے ہوئے اِس احیاء کے کام کی تکمیل کریں گے
یہ چار روحانی پرندے حضرت اسمٰعیل۔ حضرت اسحاق
حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام ہیں۔
اِن میں سے دو کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براہِ راست
تربیت کی اور دو کی بالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنے
بھی یہی تھے کہ اِن کی نہایت اعلیٰ تربیت کر کیونکہ وہ
بہت بڑے درجہ کے ہونگے۔ گویا پہاڑ پر رکھنے میں
اُن کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے اور
بتایا گیا ہے کہ وہ بلندیوں کی چوٹیوں تک جا پہنچیں گے۔
اِسی طرح چار پرندوں کو علیحدہ علیحدہ چار پہاڑوں
پر رکھنے کے یہ معنے تھے کہ یہ احیاء چار علیحدہ علیحدہ
وقتوں میں ہوگا۔ غرض اس طرح احیاءِ قومی کا وہ نقشہ
جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب زمانہ میں ظاہر ہونے
والا تھا انہیں بتا دیا گیا۔ اِسی طرح بعد کے زمانہ کے
لئے بھی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی
چار ترقیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ
مُردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
کیا تم کو میری طاقتوں پر ایمان نہیں؟ آپ نے جواب دیا
کہ ایمان تو ہے وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ یہ زبان کا ایمان ہے

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ (تعالیٰ) کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ

(کے اس فعل) کی حالت اُس دانہ کی حالت کے مشابہ ہے جو سات بالیں اُگائے (اور) ہر بالی میں

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

سَو دانہ ہو اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے (اس سے بھی) بڑھا (بڑھا کر) دیتا ہے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کرتے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ یہ طاقت میری اولاد کی نسبت بھی استعمال ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ نشان اپنے نفس میں بھی دیکھوں اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم چار دفعہ مُردہ ہوگی اور ہم اُسے چار دفعہ زندہ کریں گے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں۔ اُن کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی اور یہ مُردہ زندہ ہُوا ۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کی آواز بلند ہوئی۔ اور یہ مُردہ زندہ ہُوا ۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ وہی آواز بلند ہوئی اور اس مردہ قوم کو زندگی ملی۔ اور چوتھی بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ابراہیمی آواز پھیلی اور وہی مُردہ زندہ ہُوا۔ چار دفعہ ابراہیمی نسل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آوازیں دیں اور چاروں دفعہ وہ دوڑ کر جمع ہوگئی۔

پہلا پرندہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلایا اور اطمینانِ قلب حاصل کیا وہ موسوی اُمت تھی دوسرا پرندہ عیسوی اُمت تھی۔ تیسرا پرندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلالی ظہور کی حامل اور مظہر محمدی جماعت تھی۔ اور چوتھا پرندہ آپؐ کے جمالی ظہور کی مظہر جماعت احمدیہ ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو راحت پہنچائی اور آپ نے کہا کہ واقعی میرا خدا زندہ کرنے والا ہے بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کا بھی یہی مطلب تھا کہ حضور زبان تو اقرار کرتی ہے اور مَیں ہر روز دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اِس کا مجھے کس طرح انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر میری اولاد ہدایت نہ پائے تو مجھے اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ پس اطمینانِ قلب کے لئے مَیں نشان مانگتا ہوں۔ میری عقل وفکر۔ میرے ہوش وحواس اور میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ مگر دل کہتا ہے کہ مَیں خود کیا تعریف کروں جب تک یہ پتہ نہ لگے کہ میری اولاد میں بھی یہ نشان ظاہر ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ تمہاری اولاد کو چار دفعہ زندہ کیا جائے گا اور چار بار اُس پر خاص فضل نازل ہوگا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت۔ دوسری دفعہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت۔ تیسری دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت اور چوتھی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۲﴾

اور اللہ وسعت دینے والا (اور) بہت جاننے والا ہے[۱۷۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل نازل کیا۔ اور انہیں رُوحانی لحاظ سے زندہ کر دیا غرض اِس میں قریب اور بعید دونوں زمانوں کے لئے پیشگوئی کی گئی تھی جو اپنے اپنے وقت میں بڑی شان سے پوری ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ کا عزیز اور حکیم ہونا ظاہر ہو گیا۔

يُضٰعِفُ

۱۷۱ حل لغات :- يُضٰعِفُ : کلیات ابی البقاء میں لکھا ہے کہ اَقَلُّ الضِّعْفِ مَحْصُوْرٌ وَهُوَ مِثْلُ الْوَاحِدِ وَاَكْثَرُهٗ غَيْرُ مَحْصُوْرٍ یعنی ضعف کی اقل ترین تعداد دوگنا ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ جتنی بھی ہو سب ضعف میں شمار ہوتی ہے۔

تفسیر :- سابقہ رکوع میں احیاء قومی کی تین مثالیں دی گئی ہیں۔ اب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ ایک چوتھی تمثیل بیان فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ اگر تم دینی کاموں کے لئے اپنے اموال خرچ کرو گے تو جس طرح ایک دانہ سے اللہ تعالیٰ سات سو دانے پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ تمہارے اموال کو بھی بڑھائیگا۔ بلکہ اِس سے بھی زیادہ ترقی عطا فرمائیگا۔ جس کی طرف وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ میں اشارہ ہے چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہُوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیشک بڑی قربانیاں کی تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے انکو اپنے رسول کا پہلا خلیفہ بنا کر انہیں جس عظیم الشان انعام سے نوازا اس کے مقابلہ میں اُن کی قربانیاں بھلا کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے بہت کچھ دیا مگر انہوں نے کتنا بڑا انعام پایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی جو کچھ خرچ کیا اُس سے لاکھوں گنا زیادہ انہوں نے اسی دنیا میں پایا۔ اسی طرح ہم فرداً فرداً صحابہؓ کا حال دیکھتے ہیں۔ تو وہاں بھی خدا تعالیٰ کا یہی سلوک نظر آتا ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ہی دیکھ لو۔ جب وہ فوت ہوئے تو اُن کے پاس تین کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اس کے علاوہ اپنی زندگی میں وہ لاکھوں روپیہ خیرات کرتے رہے۔ اسی طرح صحابہؓ نے اپنے وطن کو چھوڑا تو اُن کو بہتر وطن ملے بہن بھائی چھوڑے تو اُن کو بہتر بہن بھائی ملے۔ اپنے ماں باپ کو چھوڑا۔ تو ماں باپ سے بہتر محبت کرنیوالے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنیوالا کبھی بھی جزائے نیک سے محروم نہیں رہا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کہہ کر بتایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام دینے میں بُخل تو تب ہو جبکہ خدا تعالیٰ کے ہاں کسی چیز کی کمی ہو۔ مگر وہ تو بڑی وسعت والا اور بڑی فراخی والا ہے اور پھر وہ علیم بھی ہے۔ جانتا ہے کہ وہ شخص کس قدر انعام کا مستحق ہے۔ اگر کوئی شخص کروڑوں گنا انعام کا بھی مستحق ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے یہ انعام دینے کی قدرت رکھتا ہے دنیا میں ہم روزانہ یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ زمیندار زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے سات سو دانے بنا کر واپس دیتا ہے۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرے گا کیسے ممکن ہے کہ اُس کا خرچ کیا ہُوا مال ضائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کا کم از کم سات سو گنا بدلہ مقرر ملتا ہے۔ اس سے زیادہ کی کوئی حد بندی نہیں۔ اگر انتہائی حد مقرر کر دی جاتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو محدود ماننا پڑتا۔ جو خدا تعالیٰ میں ایک نقص ہوتا اسی لئے فرمایا کہ تم خدا کی راہ میں ایک دانہ خرچ کرو گے تو کم از کم سات سو گنا بدلہ ملیگا۔ اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں اور نہ اُس کے انواع کی کوئی انتہا ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے تو انجیل میں صرف اتنا فرمایا تھا کہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو